میں علی حیدر کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور اہل بیت سے ان کی وفاداریاں گاڑھی ہوگئیں. لیکن عرب اور بالخصوص صحابہ کا طبقہ جو اپنے اسلامی تقدم اور جہادی خدمات پر نازاں تھا اور فرق مراتب کو بڑی اہمیت دیتا تھا، علی حیدر کی مساویانہ تقسیم سے سخت بددل ہوگیا اور ان کا حکم ٹلنے لگا[1]۔

(۲) تقسیم میں مساوات کے علاوہ علی حیدر خزانہ میں روپیہ پیسہ یا مال و متاع جمع رکھنے کے بھی خلاف تھے اور اس معاملہ میں بھی ان کا طریق کار اپنے تینوں پیشرو خلفاء سے مختلف تھا کسی اتفاقی غنیمت سے اگر روپیہ پیسہ یا مال و متاع ان کے پاس آتا یا سالانہ تنخواہوں اور ماہانہ راشن کی تقسیم کے بعد بچ رہتا تو پس انداز نہیں کرتے تھے بلکہ فوج میں بالتساوی تقسیم کردیتے تھے۔ ابن عبدالبر[2]: کان علی لایدع فی بیت المال ما لا یبیت فیہ حتی یقسمہ الا أن یغلبہ فیہ شغل۔ ابن عبدربہ[3]: کان علی یقسم بیت المال فی کل جمعۃ حتی لایبقی منہ شیئاً۔ چونکہ خزانہ خالی رہتا تھا اس لئے وہ خود بھی اپنا خرچ سابقہ خلفاء کی طرح خزانہ سے لینے پر قادر نہیں تھے۔ ان کے معاش کا ذریعہ حجاز میں ان کے وسیع املاک کی آمدنی خیبر کے خالصہ علاقہ سے رسول اللہ کے عطا کردہ ہزاروں من کھجور اور غلے کے حصے، ان کی اور ان کے متعلقین کی سالانہ تنخواہیں اور ماہانہ راشن نیز اتفاقی غنیمت اور تنخواہوں کے بعد بچے ہوئے روپے سے حاصل ہونیوالے سہام تھے۔

(۳) رسول اللہ، شیخین اور عثمان غنی پانچ اونٹوں پر ایک بکری زکات لیتے تھے، دس پر دو، پندرہ پر تین بیس[۲۰] سے چوبیس[۲۴] تک چار اور پچیس[۲۵] تا پینتیس ایک بنت مخاض (دوسرے سال میں اونٹ کا بچہ) علی حیدر بیس[۲۰] تا پچیس[۲۵] پانچ بکریاں لیتے تھے اور چھبیس[۲۶] تا پینتیس[۳۵] ایک بنت مخاض[4]

(۴) عمر فاروق نے عراق کی مزروعہ اراضی پر حسب ذیل لگان وصول کیا تھا۔

۱۔ گیہوں ــــ دو روپے (چار درہم) فی مربع جریب (سولہ سو مربع گز)

---

[1] ابن ابی الحدید ۱/۸۰ و ۲/۱۷۳ - ۱۷۴۔ [2] استیعاب ۱/۴۶۵۔ [3] العقد الفرید ۳/۹۵
[4] بیہقی ۴/۹۳ [5] ابو یوسف ص۲۱، ۲۲، بلاذری ص۲۷۸، ابن سلام ص۶۸، ۶۹۔

(۲) جو — ایک روپیہ فی مربع جریب
(۳) انگور — پانچ روپیہ " " "
(۴) کھجور — " " " " " "
(۵) گنا — تین روپیہ " " "
(۶) سبزی — ڈھائی روپیہ یا ڈیڑھ روپیہ فی مربع جریب۔
(۷) روئی — " " فی مربع جریب۔
(۸) تل — " " " " " "[1]

علی حیدر نے عراق کے ایک وسیع زراعتی علاقہ سے جو کوفہ کے شمال مغرب میں دجلہ اور فرات کے درمیان واقع تھا، حسب ذیل لگان وصول کیا:

(۱) گیہوں — بارہ آنے فی مربع جریب (اچھی فصل والی)، مع ایک صاع (تقریباً ساڑھے تین سیر) گیہوں
(۲) " — آٹھ آنے " " " (متوسط فصل والی)
(۳) " — چھ آنے " " " (معمولی فصل والی)
(۴) جو — " " " " " "
(۵) کھجور اور دوسرے پھلوں کے باغوں سے — پانچ روپے فی مربع جریب
(۶) انگور — پانچ روپے فی مربع جریب

سبزی، کھیرا، دال، تل اور روئی پر لگان معاف تھا[2]

علی حیدر نے شرح لگان میں کیوں تخفیف کی اور پیداوار کی کئی اہم صنفوں سے کاشتکاروں کو لگان کی چھوٹ کیوں دی۔ اس کے اسباب پر ہمارے مراجع نے روشنی نہیں ڈالی ہے۔ ممکن ہے کہ اس علاقہ کے زمینداروں نے خلیفہ سے اپنی زراعتی مشکلات یا قلت پیداوار کی شکایت کی ہو۔ ممکن ہے کہ یہ تخفیف استثنائی حالات کے زیر اثر موقت طور پر کی گئی ہو۔

۱؎ ابو یوسف ص ۲۲-۲۱، بلاذری ص ۲۷۵، ابن سلام ص ۷۹-۷۶۔ ۲؎ بلاذری ص ۲۸

علامہ واقدی مؤرخ کی حیثیت سے

جناب مولانا حافظ محمد نعیم صاحب ندوی صدیقی دار المصنفین اعظم گڈھ

ذہنی افق پر واقدی کا نام ابھرتے ہی شکوک و شبہات کی بدلیاں چھانے لگتی ہیں اور نفرت و بدگمانیوں کے سائے گہرے ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اب واقدی کے نام کو کذب افترا، دروغ گوئی اور دجل و جعل کے مترادف قرار دے دیا گیا ہے۔ سیر و مغازی کی کتابوں میں اس کا نام بار بار آتا ہے۔ بعض ائمہ حدیث نے ان کو سخت ترین جرح کا نشانہ بنایا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی ان کو محض ایک داستان گو کہتے ہیں۔ امام شافعی ان کی تصنیفات کو جھوٹ کا انبار کہا کرتے تھے۔

یہ صحیح ہے کہ مستشرقین یورپ نے ان کی بعض روایات کو اسلحہ بنا کر اسلام کے حصن حصین پر شدید حملے کئے ہیں۔ اور ان کی آڑ میں دینِ متین کے روئے منور کو داغدار کرنے کی کوششیں کی ہیں لیکن اس میں زیادہ دخل خود ان ہی نام و نہاد فضلاءِ یورپ کی کوتاہ بینی، شپرہ چشمی اور کم علمی کو ہے حقیقت یہ ہے کہ واقدی کی محدثانہ اور مؤرخانہ دونوں حیثیتیں جدا جدا ہیں۔ ان دونوں کو گڈمڈ کرنے سے یقیناً خلط مبحث واقع ہو جائے گا۔

ماہرین جرح و تعدیل نے احادیث کی صحت و سقم اور رواۃ کی ثقاہت و ضعف کو جانچنے کے لئے جو میزان اور اصول وضع کئے ہیں وہ بہت سخت ہیں اور بلاشبہ اسی شدت و سختی کی بنا پر آج اتنے عظیم ذخیرۂ احادیث کی صحت و استناد پر بلا تذبذب مخالف کو چیلنج کیا جا سکتا ہے۔ علامہ واقدی علمائے جرح و تعدیل کے اس میزان پر پورے نہیں اترتے وہ بیشتر تدلیس کا ارتکاب کرتے تھے علاوہ ازیں ضعفِ حافظہ کا شکار وہ ابتدا ہی سے تھے۔ انہی سب وجوہ کی بنا پر محدثین انہیں پایۂ اعتبار سے ساقط

قرار دیتے ہیں لیکن بہرحال ان کی روایات کو قطعی طور پر قابل رد نہیں کہا جا سکتا اِلّا یہ کہ وہ کسی مستند وثقہ ترین راوی سے متعارض نہ ہو۔

جہاں تک ان کی مؤرخانہ حیثیت کا تعلق ہے اس سلسلہ میں ان کے مشاہدات و تجربات تاریخ کی مستند ترین دستاویز کا درجہ رکھتے ہیں انھوں نے سیر و مغازی کے واقعات کی چھان بین میں جو غیر معمولی کد و کاوش اور امکانی جانکاہی دکھائی اس کی تفصیل آئندہ صفحات سے واضح ہوگی یہاں عرض یہ کرنا مقصود ہے کہ جن علماء نے صرف مستشرقین کی جراحتوں سے محفوظ رہنے کی خاطر واقدی کو سرے سے وضاع، کذاب اور جعل ساز قرار دے دیا ہے ان کی حوصلہ افزائی نہیں کیجا سکتی واقدی کے علم و معرفت اور فضل و کمال کا کماحقہ اعتراف نہ کرنا درحقیقت علم کی بے قدری اور... خود فراموشی کی دلیل ہے۔

علامہ شبلی نے سیرت کے مقدمہ میں ان پر بڑی سخت تنقید کی ہے۔ چنانچہ محمد بن اسحاق کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

"شہرتِ عام میں اگرچہ واقدی ان سے کم نہیں لیکن واقدی کی لغو بیانی مسلم ہے اور اسلیئے انکی شہرت بدنامی کی شہرت ہے[1]"

"سیرت نبوی کے متعلق ان کی دو کتابیں ہیں، کتاب السیرۃ اور کتاب التاریخ والمغازی، کتب سیرۃ کی اکثر بیہودہ روایتوں کا سرچشمہ ان ہی کی تصانیف ہیں[2]"

"ان میں سے واقدی تو بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے۔ محدثین بالاتفاق[3] لکھتے ہیں کہ وہ خود اپنے جی سے روایتیں گھڑتا ہے[4]"

---

[1] سیرت النبی ج ۱ ص ۲۳۔ [2] ایضاً ص ۳۳۔ [3] یہ علامہ شبلی کا سہو قلم ہے ورنہ واقدی کی ثقاہت وضعف کے بارے میں محدثین بہت مختلف الرائے ہیں۔

[4] سیرت النبی ج ۱ ص ۴۸۔

بہرحال یہ مسلم ہے کہ دوسری صدی ہجری میں جن لوگوں نے علوم اسلامیہ کی تدوین کا کام کیا ان میں ایک ممتاز نام محمد بن عمر الواقدی کا بھی ہے۔ ذیل میں ابتداءً ان کے حالات وسوانح اور پھر خدمات و کارناموں کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

نام ونسب محمد نام اور ابو عبد اللہ کنیت تھی۔ عام طور سے واقدی کے نام سے مشہور رہیں واقد ان کے دادا کا نام تھا اسی نسبت سے وہ اپنے کو واقدی لکھتے تھے۔ واقدی خاندانی نسبت ہے گو یہ خانوادہ بنو سہم بن اسلم کا غلام تھا اس لئے اسلمی بھی کہے جاتے ہیں[1]

ولادت واقدی ۱۳۰ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور تقریباً ۴۰ برس کی عمر تک زیادہ تر مدینہ ہی میں رہے اس لئے مدنی بھی کہلاتے ہیں[2]

تحصیل علم مدینہ منورہ میں اس وقت امام مالک اور ابن ابی ذئب اور بعض دوسرے ائمۂ علم وفضل کے چشمہائے فیض جاری تھے انھوں نے ان سے اکتساب فیض کیا اور پھر مدینہ منورہ سے باہر دوسرے شیوخ سے بھی علم حاصل کیا۔ واقدی کے حالات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ چالیس برس کی عمر تک تحصیل علم کے سلسلہ میں وہ حجاز سے باہر نہیں گئے۔ حجاز سے باہر کے جن شیوخ سے ان کے کسبِ فیض کا ذکر ملتا ہے ان سے انھوں نے مدینہ چھوڑنے کے بعد فیض حاصل کیا ہے۔ چنانچہ واقدی کے تلمیذِ رشید اور کاتبِ خاص ابن سعد لکھتے ہیں۔

فقدم بغداد فی سنۃ ثمانین ومائۃ فی دین لحقہ فلم یزل بہا وخرج إلی الشام والرقۃ۔ ثم رجع إلی بغداد فلم یزل بہا۔[3]	وہ ۱۸۰ھ میں اپنے قرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں بغداد آئے اور پھر وہاں بہت دنوں رہے وہیں سے شام اور رقہ بھی گئے پھر آخر وقت تک بغداد ہی میں رہے۔

اساتذہ انھوں نے جن ائمۂ علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ان میں نمایاں اور ممتاز اسمائے

---

[1] کتاب الانساب للسمعانی ورق ۵۷۷۔ [2] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۴۔ [3] ابن سعد ج ۷ ص ۷۷ (قسم دوم)

گرامی یہ ہیں۔

معمر بن راشد، مالک بن انس، محمد بن عبداللہ بن اخی الزہری، سفیان ثوری، ابو معشر، محمد بن عجلان، ربیعہ بن عثمان، ضحاک بن عثمان، ابن جریج، ثور بن یزید، معاویہ بن صالح، ولید بن کثیر، عبدالحمید بن جعفر، اسامہ بن زید۔ مخرمہ بن بکیر، افلح بن سعید، یحیٰی بن عبداللہ بن ابی قتادہ، افلح بن حمید، ابن ابی ذئب، اوزاعی، سعید بن بشر، ہشام بن الغاز۔[1]

تلامذہ | جن وارفتگان علم نے علامہ واقدی سے اکتساب فیض کیا ان میں سے چند نام یہ ہیں۔

محمد بن سعد (کاتب الواقدی) ابوحسان الزیادی، محمد بن اسحاق، احمد بن عبید بن ناصح، حرب بن ابی اسامہ، امام شافعی (ان کی وفات واقدی سے قبل ہی ہوگئی تھی) سلیمان بن داؤد الشاذکوفی، ابوعبید القاسم بن سلام، ابوبکر ابن ابی شیبہ، ابوعصیدہ احمد بن عبید اللغوی، محمد بن یحیٰی الازدی، احمد بن خلیل الرجلانی احمد بن منصور الرمادی[2]

مدینہ چھوڑنے کا سبب | واقدی نے ابتدا میں اپنے علم کو ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں جب تک قیام رہا تجارت کا مشغلہ جاری رکھا۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے لوگوں سے ایک لاکھ درہم بطور مضاربت[3] لے رکھے تھے اور اس سے گیہوں کی تجارت کرتا تھا۔ اتفاق سے یہ سرمایہ تلف ہوگیا۔ یا تجارت میں خسارہ ہوگیا۔ سرمایہ داروں نے پریشان کرنا شروع کردیا۔ کوئی سبیل نظر نہیں آئی تو خالد بن یحیٰی برمکی جس کی سخاوت کا ہر طرف چرچا تھا۔ کے پاس بغداد آئے اور خالد کے دربار میں حاضر ہوکر مدد چاہی اس کی آمد کی پوری تفصیل خطیب بغدادی نے اپنی شہرۂ آفاق تاریخ میں دی ہے اس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"جس وقت میں یحیٰی بن خالد برمکی کے مکان پر پہنچا وہ اندر تھا۔ دربانوں نے مجھ سے کہا کہ اس

---

[1] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱ و ابن سعد ج ۷ ص ۷۷ و سمعانی ورق ۵۸۷۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۶۳۔ [3] مضاربت: یعنی ایک کا سرمایہ دوسرے کی محنت۔ مضاربت میں نقصان کی ذمہ داری مضارب پر نہیں ہوتی مگر لوگوں نے خلاف قاعدہ ایسا کیا ہوگا۔

وقت آپ ٹھہریں کھانے کے وقت کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی اس وقت اطمینان کے ساتھ ملاقات ہوگی چنانچہ حسب معمول دسترخوان چنا گیا اور ملازموں نے مجھ کو دسترخوان پر پہنچا دیا۔ کھانے کے درمیان ہی یحییٰ نے پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ میں نے اپنی پوری سرگذشت سنائی۔ کھانا ختم ہوا اور جب یحییٰ ہاتھ دھوکر فارغ ہوچکا تو میں نے عربوں کی عادت کے مطابق اس کی پیشانی اور سر کا بوسہ لینا چاہا تو اس نے سر ہٹا لیا۔ جب میں باہر آکر اپنی سواری پر سوار ہونے لگا تو ایک خادم ایک ہزار دینار کی تھیلی لے کر میرے قریب آیا اور وہ تھیلی مجھ کو دیتے ہوئے بولا "وزیر محترم نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ اس سے اپنی ضروریات پوری کریں اور کل آنے کا وعدہ کریں" میں نے وہ تھیلی لے لی اور حسب وعدہ دوسرے دن جاکر کھانے میں شریک ہوا۔ اور پھر جب میں چلنے لگا تو خادم نے پہلی مرتبہ کی طرح ایک ہزار دینار کی تھیلی لاکر دی اور تیسرے دن آنے کا وعدہ لیا گیا۔ چوتھے دن جب میں حاضر ہوا اور کھانے کے بعد یحییٰ کے سر کا بوسہ لینا چاہا تو اس نے سر ہٹایا نہیں اور میں نے بوسہ لے لیا۔ اس کے بعد یحییٰ برمکی نے خود گذشتہ دنوں میں بوسہ سے باز رکھنے کی وجہ بیان کی۔ اس نے کہا کہ میں نے بوسہ دینے سے آپ کو اس لئے روکا کہ میری طرف سے کوئی ایسا قابل ذکر سلوک نہیں ہوا تھا جس کی وجہ سے میں اس اعزاز کا مستحق ہوتا۔ اب جب کہ میں کچھ کام آسکا ہوں تو آپ کو اس ارادہ سے باز رکھنا مناسب نہیں معلوم ہوا۔ اس کے بعد اس نے غلام کو حکم دیا کہ فلاں کمرہ حوالہ کرو اور اس میں فلاں فلاں قسم کے فرش و فروش بچھا دو اور ان کو دو لاکھ کی رقم حوالہ کرو۔ ایک لاکھ میں یہ اپنی ضروریات پوری کریں اور ایک لاکھ سے قرض ادا کریں۔

مزید برآں یحییٰ بن خالد نے واقدی سے ان کے علم و فضل کی وجہ سے یہ خواہش کی کہ آپ مستقل طور پر میرے غریب خانہ پر رہیں۔ انھوں نے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ کچھ دنوں کے لئے مجھے مدینہ جانے کی اجازت دیں تاکہ میں لوگوں کے قرضے واپس کردوں۔ پھر واپس آکر میں یہیں قیام کروں گا۔ یحییٰ نے ان کی یہ خواہش مان لی اور مدینہ منورہ جانے کا سامان خود کردیا۔ چنانچہ واقدی کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ جاکر سارا قرض چکایا اور پھر وہاں سے واپس آکر یحییٰ کے سایہ عاطفت میں پڑا

رہا[۱]"

ابن خلکان نے یحییٰ کے بجائے ماموں سے قرض کی ادائیگی کی درخواست کا ذکر کیا ہے[۲] اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ممکن ہے انھوں نے ماموں کو بھی خط بھیجا ہو اور ساتھ ہی یحییٰ کی خدمت میں بنفس نفیس حاضر ہو گئے ہوں۔ یا پھر یہ دونوں واقعے ہوں۔

حصول علم میں محنت و مشقت واقدی کی زیادہ شہرت سیر و تاریخ کے عالم کی حیثیت سے ہے۔ اور اس میں بہت سی خامیوں کے باوجود ان کی مشیخت مسلم ہے۔ علامہ شبلی نے ان پر جہاں بہت سی تنقیدیں کی ہیں ان میں خاص تنقید یہ ہے کہ "واقدی جزئیات کا استقصا بہت زیادہ کرتے ہیں اور یہ چیز سوا سو برس کے بعد ممکن نہیں تھی۔ اور یورپ والے انہی جزئیات سے فائدہ اٹھاتے ہیں[۳]"

مگر واقدی کی کتاب زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انکو مغازی و سیرت کے واقعات کے ایک ایک جزئیہ کی تفصیل کا پورا حق تھا۔ اس لئے کہ انھوں نے اسکے لئے مہینوں اور برسوں در در کی خاک چھانی تھی۔ خود بیان کرتے ہیں۔

ما ادرکت رجلاً من ابناء الصحابة و ابناء الشهداء ولا مولی لهم الا وسألته هل سمعت احداً من اهلك يخبرك من مشهده واين قتل[۴]	میں نے صحابہ یا شہداء کی اولاد یا انکے غلاموں میں سے جس کو بھی پایا اس سے یہ ضرور پوچھا کہ فلاں واقعہ کے بارے میں کچھ سنا ہو تو بتایئے کہ یہ کہاں پیش آیا اور ان کی شہادت کس مقام پر ہوئی۔

پھر زبانی سوال و جواب پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جب ان کو اس کا علم ہو جاتا تو وہ جائے وقوع پر جا کر اس کا مشاہدہ کرتے اور معلومات فراہم کرتے۔

فاذا اعلمنی مضیت الی الموضع فاعاینه   جب وہ مجھے بتاتے تو میں اس جگہ خود جاتا اور

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۴ و ۵۔ [۲] ابن خلکان ج ۲ ص ۳۲۵۔ [۳] مقدمہ سیرت النبی ج ۱ ص ۹۹۔ [۴] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۶

ولقد مضیت الی المریسیع فنظرت الیها وما علمت غزاۃ الا مضیت الی الموضع فاعاینہ۔	اس کا معائنہ کرتا۔ اسی غرض سے مریسیع گیا۔ اور اس کا مشاہدہ کیا اور اس طرح جہاں بھی غزوات ہوئے میں سب جگہوں پر گیا اور بچشم خود ان کو دیکھا۔

ہارون القروی کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے واقدی کو دیکھا کہ پانی کا مشکیزہ لٹکائے ہوئے کہیں جارہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہاں کا قصد ہے بولے حنین جارہا ہوں تاکہ واقعہ حنین اور اس کے موقع ومحل کا معائنہ کروں۔ کیا اس محنت وجستجو کے بعد بھی ان کو تاریخ ومغازی کے جزئیات کی تفصیل بیان کرنے کا حق نہیں ہے۔ جہاں تک یورپ والوں کے فائدہ اٹھانے کا سوال ہے تو وہ زیادہ قابل اعتبار نہیں ہے اس لئے کہ ان کے اعتراض کا ہدف تو (نعوذ باللہ) قرآن اور حضور کی شخصیت بھی ہے۔

فضل وکمال واقدی کے فضل وکمال کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو فن سیرت ومغازی میں ان کی امامت دوسرے علم حدیث میں ان کا مرتبہ۔ دوسرے الفاظ میں ایک مورخ کی حیثیت سے ان کا درجہ اور دوسرے محدث کی حیثیت سے ان کا مقام۔ روایت حدیث کے جو اصول اور اس کے قبول وعدم قبول کے جو شرائط محدثین نے مقرر کئے ہیں۔ ان کے اعتبار سے تو واقدی کا شمار محدثین میں نہیں ہوتا چنانچہ امام احمد کا بیان ہے کہ میں واقدی کی طرف سے ہمیشہ معیت کرتا تھا لیکن جب انھوں نے معمر عن زہری عن ام سلمہ کے واسطے سے یہ حدیث روایت کی کہ "کیا تم دونوں اندھی ہو" تو میرے لئے موافقت کی شکل نہیں رہ گئی۔

فجاء بشئ لاحیلۃ فیہ والحدیث حدیث یونس لم یروہ غیرہ [1]	ایسی روایت کی ہے جس میں کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ روایت یونس کے علاوہ کسی نے بھی روایت نہیں کی ہے۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۶

یعنی واقدی کی غلطی یہ نہیں تھی کہ وہ اپنے جی سے روایت کرتے بلکہ ان سے سند کے ذکر میں غلطی ہو گئی تھی کہ یونس کے بجائے معمر کا نام لے لیا۔ اسی طرح دوسرے محدثین نے بھی ان کی روایات پر تنقید کی ہے اور انہیں ضعیف قرار دیا ہے گو ابن ماجہ نے لباس الجمعہ کے باب میں روایت کی ہے[1]

مگر واقدی کی دوسری حیثیت سیرت و مغازی کے ایک اسکالر کی ہے۔ ان کی اس حیثیت پر تمام ائمہ و محققین متفق ہیں۔ مذکورہ بالا واقعات سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ انھوں نے اس فن میں اپنی کتنی محنت صرف کی تھی۔ پھر ان کے شاگرد ابن سعد پر تمام محققین نے اعتماد کیا ہے۔ انکی نصف سے زیادہ سیرت و تاریخ کی روایات واقدی ہی کے واسطے سے مروی ہیں۔

واقدی کی روایت میں شبہ کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کا حافظہ کمزور تھا یا ان کو ممتاز شیوخ کی صحبت حاصل نہیں تھی یا ان کا کردار اچھا نہیں تھا۔ بلکہ محدثین کی رائے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کبھی ان سے رواۃ کا نام لینے میں غلطی ہو جاتی تھی اور کبھی وہ کسی واقعہ کے جزئیات کی اتنی تفصیل بیان کرتے تھے کہ ان کا علم دوسروں کو نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے ان کی ان تفصیلات کو دوسرے محدثین مناکیر اور مجاہیل تصور کرتے تھے۔ مگر جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے کہ واقعات کی تفصیل وہ محض راویوں سے سن کر نہیں بلکہ صاحب واقعہ کے خاندان، ان کے افراد اور موقع و محل سے اس کی مطابقت پیدا کر کے پھر اسے بیان کرتے تھے۔

ظاہر ہے جو شخص اتنی تلاش و جستجو کے بعد کوئی واقعہ لکھے تو اس میں تسلسل اور ربط زیادہ ہوگا۔ مگر یہی چیز واقدی کا عیب بن گئی۔ خاص طور پر عہد جاہلی کے مقابلہ میں عہد اسلامی کے بارے میں ان کی معلومات زیادہ تھیں۔ ابراہیم الحربی کا بیان ہے۔

کان الواقدی اعلم الناس بامر الاسلام	واقدی اسلامی معاملات کے زیادہ واقف کار
وأما الجاهلية فلم يعلم عنها شيئاً	تھے لیکن عہد جاہلی کے بارے میں انہیں کچھ علم

[1] شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۸

وکان امین الناس علی الاسلام[1] نہ تھا اور وہ اسلام کے امین تھے۔

اسی کے ساتھ واقدی کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ انھوں نے عہدہ قضا اور مامون کے دربار سے تعلق پیدا کر لیا تھا اور محدثین نے دربار سے تعلق رکھنے والوں کی دیانت پر کم ہی اعتماد کیا ہے۔ اور ان کی بے اعتمادی بلا وجہ بھی نہیں۔ مگر اس کے باوجود اس کلیہ میں کچھ استثنائی مثالیں بھی ہیں۔ اس لئے راقم کے نزدیک واقدی فی الواقع اتنے ضعیف نہیں جتنا کہ خارجی اسباب نے انہیں ضعیف بنا دیا ہے۔ محدثین میں بہت سے لوگوں نے معمولی غلطیوں کی وجہ سے بڑے بڑے ائمہ حدیث کی روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ ان کی دیانت و ثقاہت میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

مذکورہ بالا حدیث جس پر امام احمد نے واقدی پر سخت تنقید کی ہے اس کے بارے میں منصور الرمادی کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں واقدی بغداد کے قاضی تھے علی بن المدینی بغداد آئے میں ان کے ساتھ بغداد کے مختلف شیوخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے ان سے کہا کہ واقدی سے بھی سماع حاصل کرنا چاہئے۔ ابن المدینی کو اس میں تکلف ہوا اور انھوں نے امام احمد سے لکھ کر دریافت کیا کہ کیا میں واقدی سے روایت کروں، امام احمد نے ان کو لکھا کہ ایک ایسے شخص سے روایت کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جو معمر سے نبہان مکاتب ام سلمہ کی روایت کرتا ہے حالانکہ اس روایت میں یونس منفرد ہیں دوسرا کوئی راوی ان کا شریک نہیں ہے۔ رمادی کہتے ہیں کہ اس کے کچھ ہی دنوں بعد میں مصر آیا تو یہی روایت ابن ابی مریم کی زبانی بواسطہ نافع سنی تو مجھے ہنسی آگئی۔ انھوں نے ہنسی کی وجہ دریافت کی تو میں نے امام احمد کا واقعہ بتایا کہ وہ تو یہ فرماتے ہیں کہ یونس منفرد ہیں حالانکہ آپ تو نافع سے بیان کرتے ہیں جو ان سے برتر ہیں۔ ابن ابی مریم نے فرمایا کہ ہم مصریوں کو امام ظہری کی روایات سے کافی اعتنا ہے (اور یہ روایت ان کے واسطے سے مروی ہے اس لئے اس بارے میں کسی کی رائے ہمارے نزدیک قابل قبول نہیں) یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد

[1] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱

رمادی نے اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ

هذا مما ظلم فيه الواقدی[1] اس واقعہ کے سلسلہ میں واقدی کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے۔

اوپر مذکور ہوا کہ محدث ابن ماجہ نے واقدی سے روایت کی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ روایتِ حدیث کے سلسلہ میں واقدی کا مرتبہ اتنا کم نہیں تھا جتنا عام طور پر کم سمجھا جاتا ہے خود ابن سعد کی نصف روائتیں ان سے مروی ہیں۔

معاصرین کی رائے | تنقید و جرح کے ساتھ ان کی تعدیل اور قبولِ روایت بالخصوص سیر و تاریخ کے سلسلہ میں معاصر اور بعد کے علماء نے جو رائیں دی ہیں ان سے بھی واقدی کی حیثیت کا اندازہ ہوجائے گا۔

واقدی کو اکثر ائمہ حدیث نے ضعیف اور بعض نے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ مگر بہت سے ائمہ سیر و مغازی اور محدثین نے ان کے بارے میں بڑی..... اچھی رائیں دی ہیں۔ ان کے شاگرد رشید اور علامۂ وقت ابن سعد نے اپنے شیخ کے سوانح حیات کا اختتام ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے۔

وكان عالماً بالمغازی واختلاف الناس واحادیثهم[2] اور وہ سیرت و مغازی اور احکام و احادیث میں علماء کے اختلاف سے خوب واقف تھے۔

اس اجمال کی تفصیل سمعانی نے مزید کی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں۔

وهو ممن طبق شرق الأرض وغربها ذكره..... سارت الركبان بكتبه في فنون العلم من المغازی والسير والطبقات وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی شہرت شرق سے غرب تک ہے۔ مختلف علوم و فنون میں ان کی کتابیں تشنگان علم نقل کرکے اقلیم در اقلیم لے گئے۔ وہ مغازی، سیرت،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۶۴ و تاریخ بغداد ج ۳ ص ۱۸

[2] طبقات ابن سعد ج ، ص ۷۷ (قسم ثانی)

واخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم والاحداث التی کانت فی وقتہ و بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم وکتب الفقہ واختلاف الناس فی الحدیث[1]	طبقات، احادیث نبوی اور آپ کی حیات مبارکہ میں اور آپ کی وفات کے بعد کے اہم واقعات پر مشتمل ہیں۔ پھر ان کی فقہ اور روایت حدیث میں جو اختلافات ہیں ان پر مشتمل ان کی کتابیں ہاتھوں ہاتھ لے گئے۔

ابن خلکان لکھتے ہیں:

" وہ امام عالم ہیں۔ مغازی میں جن کی تصنیفات متعدد ہیں۔ انھوں نے ایک کتاب "کتاب الردۃ" کے نام سے لکھی ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے ارتداد کا تفصیلی ذکر ہے۔ اور اس میں مدعیان نبوت طلیحہ بن خویلد، مسیلمہ کذاب، اور اسود العنسی سے صحابہ کے جہاد کا ذکر ہے[2]"

حافظ ابن حجر نے ان کو بڑا آدمی اور ابن عماد نے علم کا ظرف لکھا ہے[3] علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ واقدی کی حدیث کے قابل ترک ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ مگر اس جرح کے ساتھ انھوں نے ان کے علم وفضل کا اعتراف بھی کیا ہے۔ اور سیرت ومغازی کا امام قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

الحافظ البحر.... وھو من اوعیۃ العلم لا تیقن الحدیث ورأس فی المغازی والسیر و یروی عن کل ضرب[4]	حافظ بحر بیکراں تھے.... وہ علم کا ظرف تھے۔ حدیث میں اتفاق نہیں تھا مگر مغازی اور سیرت میں امام تھے یہ ضرور ہے کہ وہ ہر طرح کی روائتیں بیان کردیتے تھے

اسی طرح خطیب بغدادی نے بھی ان کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے۔ محدثین میں ابن ماجہ نے ان کی روایت نقل کی ہے۔ امام صغانی فرماتے ہیں کہ اگر واقدی ثقہ نہ ہوتے تو میں ان سے روایت کس طرح کرسکتا۔

---

[1] الانساب للسمعانی ورق ۵۷۷ (قدیم اڈیشن) [2] ابن خلکان ج ۲ ص ۳۲۴۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۶۹ وشذرات الذہب ج ۲ ص ۱۸۔

[4] تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج ۱ ص ۳۱۹۔

ابن نمیر سے (کوفہ میں) دریافت کیا گیا تو بولے کہ یہاں تو ان کی احادیث صحیح ہی ہیں۔ رہے اہل مدینہ تو وہ ان سے زیادہ واقف ہیں۔ مجاہد بن موسی نے تو لکھا ہے کہ

ما کتبت عن احد احفظ منہ — میں نے ان سے زیادہ کسی حافظہ والے سے حدیث نہیں لکھی ہے۔

مصعب الزبیری، ابو عبید اور دراوردی وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ عبداللہ بن مبارک جب مدینہ آئے تھے تو شیوخ کی رہنمائی اور فیض انہی کی وجہ سے ملتا تھا[1]

عہدۂ قضا اور دربار خلافت سے تعلق | واقدی کے علم و فضل کی وجہ سے خلفائے عباسیہ کے یہاں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ یحیی برمکی جو اہل علم کا سب سے بڑا قدرداں اور ان کے لئے انتہائی سیر چشم ثابت ہوا وہ بھی واقدی کے قدردانوں میں تھا اوپر اس کا واقعہ نقل کیا جا چکا ہے۔ ہارون الرشید اور مامون الرشید کے یہاں بھی انکی بڑی قدر و منزلت تھی انھوں نے نہ صرف انتہائی فراخدلی سے واقدی کی مالی اعانت کی بلکہ انہیں عہدۂ قضا پر بھی فائز کیا۔

ان کے عہدۂ قضا کے بارے میں دو روائتیں ہیں۔ ایک کے مطابق مامون نے انہیں بغداد کے مغربی حصہ کا قاضی مقرر کیا اور دوسری روایت کے مطابق یہ مشرقی حصہ کے قاضی بنائے گئے[2]

مؤرخ ابن خلکان نے دونوں روایتیں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ عسکر المہدی کے قاضی بنائے گئے تھے۔ یہ ایک محلہ ہے جسے ابوجعفر منصور نے اپنے لڑکے مہدی کے لئے آباد کیا تھا اور بغداد کے مشرقی حصے میں تھا۔

ھذا یؤید أن الواقدی کان قاضی الجانب الشرقی لا الغربی — اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ وہ مشرقی بغداد کے قاضی تھے۔ مغربی کے نہیں[3]

---

[1] تفصیل کیلئے تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۶۵ وغیرہ ملاحظہ ہو۔ [2] ابن خلکان ج ۲ ص ۳۲۴ و ۳۲۶

[3] بغداد کے ان دونوں حصوں میں لاکھوں کی آبادی تھی اس لئے ہمیشہ سے اس کے دو قاضی ہوتے تھے۔

مگر بعض روایتوں اور واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں حصوں کے قاضی رہ چکے تھے۔ ہارون کے زمانہ میں مغربی حصہ کے اور مامون کے زمانہ میں مشرقی حصہ کے۔ جب وہ پہلی بار بغداد آئے تھے تو اس وقت یحیی بن خالد برمکی کا زمانہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت مامون کی خلافت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ مامون کی خلافت ہارون کی وفات یعنی ۱۹۳ھ کے بعد ہوئی اور یحیی کا انتقال حالت قید میں ۱۹۰ھ میں ہوا۔ اس لئے ان کا بغداد آنا اور پھر مدینہ جاکر قرضداروں کا قرض ادا کرکے بغداد واپس آنے کا واقعہ یحیی کی موت (۱۹۰ھ) سے دو ایک برس پہلے کا ہوگا۔ اسلئے کہ ایک مدت وہ قید رہا۔ خود مامون اور واقدی کے درمیان ایک گفتگو سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے۔

ایک بار واقدی نے مامون کو ایک خط لکھا۔ جس میں اپنی مالی پریشانی کا ذکر ان الفاظ میں کیا۔

"۔۔۔ میں مقروض ہو گیا ہوں آپ اتنی رقم بھیجدیجئے ۔۔۔"

یہ خط طویل تھا اور اس طویل خط کا جواب بھی مامون نے مفصل دیا اور مطلوبہ رقم بھیج دی بغدادی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رقم ایک لاکھ درہم تھی مامون نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ

"۔۔۔ آپ میں دو خصلتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک سخاوت دوسری حیا۔ سخاوت کی عمدہ دلیل تو یہ ہے کہ آپکے پاس جو کچھ تھا خرچ کر ڈالا اور حیا کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے خط میں کل رقم کے بجائے صرف ایک حصہ کا ذکر کیا ہے[1]"

آخر میں مامون نے ان کی تسکین کے لئے ایک حدیث جو انہی کی روایت سے اس نے سنی تھی یاد دلائی کہ آپ نے یہ روائیت ہم سے اس وقت بیان کی جب آپ ہارون رشید کے قاضی تھے کہ "حضرت زبیر سے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زبیر! رزق کی کنجیاں عرش

---

[1] ابن خلکان ج ۲ ص ۳۲۶۔